وجودِ باری: "ذہنی ارتقاء کی ایجاد"

(از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی۔ حیدر آباد دکن)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب انسان کو کسی چیز کی حقیقت یا اس کے اسباب و محرکات کی کنہ معلوم نہ ہو تو وہ اس کے بارے میں قیاس آرائی شروع کر دیتا ہے۔ اور اپنی عقل سے اس قیاس کو معقولیت کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے اس قیاس کو یقین باور کرنے پر اصرار بھی کرتا ہے اور جو شخص اس کے ایجاد کردہ قیاسی نظریہ کے خلاف لب کشائی کرتا ہے تو اسے نادانی یا کم عقلی سے تعبیر کرتا ہے۔ یہی حال آج کل ان کے کور چشم نام نہاد فلاسفروں کا ہے جو ہستیٔ باری تعالیٰ کو بھی ارتقاءِ ذہنی کا نتیجہ تبلاتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ اس بارہ میں ان کا کوئی متفقہ خیال نظر نہیں آتا۔ بلکہ وہ مختلف قیاسات دوڑاتے ہیں۔ گو یہ قیاسات اصولاً تو متفق نظر آتے ہیں کہ وجود باری کا یہ مسئلہ ذہنی ارتقاء کا نتیجہ ہے مگر ارتقائی زاویۂ فکر یعنی اس ترقی کے اسباب و منازل کی تفصیلات بالکل مختلف بلکہ بعض اوقات متخالف نظر آتی ہیں۔ اس لیے اس کی جزئیات پر الگ الگ جرح تو محال ہے۔ البتہ اجمالاً اصولی طور پر اس نظریہ کی تنسیط کے لیے مندرجۂ ذیل دلائل کافی ہیں:۔

مسئلہ ارتقاء میں توسیع | اس سے پہلے میں ان ارتقاء والوں کی ایک لغزش کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ اول اول اس مسئلہ کو حیوانات کی مختلف انواع تک محدود رکھا گیا کہ یہ چیزیں اپنی ادنیٰ حالتوں سے ترقی پاکر موجودہ صورتیں اختیار کیے ہوئے ہیں۔ مگر رفتہ رفتہ یہ ایک وسیع مسئلہ بن گیا۔ اور یہاں تک اس کو بڑھایا گیا کہ انسانی تاریخ و خیالات۔ توہمات و عقائد سب کے سب ارتقاء کے ماتحت سمجھے جانے لگے۔ اور اسی طرح وجود باری کے عقیدہ کی توجیہ بھی مسئلۂ ارتقاء کے تحت ہونے لگی۔

ارتقاء کے تین نظریات | چنانچہ بعض کا یہ نظریہ ہے کہ وجود باری انسان کے جذبۂ خوف کی ایجاد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب انسان میں شعور پیدا ہوا تو اس نے اپنے اردگرد ایک خوفناک ماحول پایا۔ ایک ایسا

پُرہول نیچر کہ مثلاً خونخوار درندے۔ خطرناک وبائیں اور قدرتی قحط۔ زلازل اور اسی طرح وہ فوق الفہم اور حیرت زا نظامِ شمسی جس نے انسان کے اندر حیرت و خوف کے جذبات پیدا کر دیئے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان ہمیشہ حیرت و خوف کے جذبات میں گھر کر زندگی بسر نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اپنی ڈھارس و پناہ سکون و اطمینان کے لیے اس کے نفس نے یہ تجویز کی کہ ان خوفناک اور ڈراونی اشیاء کو مناجات و خوشامد کے ذریعہ راضی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے ان کی پوجا شروع کر دی۔

اور پھر جوں جوں اس کا شعور ترقی کرتا گیا اور ذہنی رفعت اس کو حاصل ہوتی گئی۔ اسی نسبت سے وہ اپنے قدرتی جذبۂ خوف سے پناہ ڈھونڈتا ڈھونڈتا ایک ایسے خدا کا قائل ہو گیا جو تمام طاقتوں کا مالک ہے!

اسی طرح ماہرِ نفسیات پروفیسر فرائیڈ کا ذہنی اختراع یہ ہے کہ چونکہ انسانی فطرت کی بنیاد نفسانیت و شہوت پر ہے اور ہر شخص اس دنیا میں آزادانہ طور پر ان خواہشات کو پورا نہیں کر سکتا اور جب وہ افراد کی خواہش ٹکرا جائے تو لڑائی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ ان خواہشات کی تکمیل صرف ایک ہی صورت میں کر سکتے تھے کہ جب افراد حتی الوسع ایک دوسرے سے امن میں رہتے ہوں اور امن کے لیے یہ امر ناگزیر ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو دوسرے کے لیے قربان کر دے اور یہ قربانی بھی اس وقت تک محال ہے۔ جب تک کہ اس کا معاوضہ ہو۔ لیکن چونکہ دنیا میں انسانی قربانی کا کوئی حقیقی معاوضہ نہ مل سکتا تھا اس لیے اس نے ایک خیالی معاوضہ (خدا) تجویز کیا اور یہی خیالی معاوضہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا موجودہ صورت کو پہنچا۔

اس سلسلہ میں تیسرا نظریہ ماہرینِ اقتصادیات کی ایجاد ہے جو موجودہ تمدن سے سخت متنفر ہیں اور اس کی بنیادوں کو ہلا دینا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ وجودِ باری دراصل امراء و غرباء کی تمدنی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ایک امیر اپنی امارت میں استقلال کے لیے یہی چاہتا ہے کہ غریب ہوشیار ہو کر اپنی حالت کو نہ بدلیں اور غرباء کو غافل رکھنے کے لیے ضروری ہوا کہ ان کے دل میں یہ خیال

بٹھا دیا جائے کہ :۔

غربت و امارت وغیرہ امورِ مقدورہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ایک نگراں خدا ہے جو خوب جانتا ہے کہ نظامِ عالم کو چلانے کے لیے دولت کی تقسیم کس طرح ہونی چاہیے ۔ اس نے امیر و غریب میں تقسیم کر رکھی ہے اور اسی تقسیم پر ہر انسان کو قانع رہنا چاہیے ۔ پس عدمِ مساوات کو قائم رکھنے اور امیر و غریب کی تفریق کے استحکام کی خاطر غرباء کو غافل رکھنے کے لیے امراء نے وجودِ باری کا یہ عقیدہ تجویز کیا ہے اور ابتداءً یہ صرف خیالی تھا لیکن بعد میں رفتہ رفتہ عادتاً و حقیقتاً انسانوں میں رائج ہو گیا ۔

قیاسی نظریئے مندرجۂ بالا تینوں نظریات پر یکجائی نظر ڈالنے کے بعد ناظرین نے محسوس کیا ہو گا کہ یہ صرف قیاسی نظریئے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص رات کے ایک دو بجے گلی سے گزر رہا ہو تو اس کے بارہ میں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ کوئی ڈاکٹر ہے ۔ یا سی ۔ آئی ۔ ڈی پولیس کا آدمی ہے ۔ اور یہ بھی کہ وہ کوئی ایسا مریض ہو جو نیند کی حالت میں چلنا شروع کر دیتا ہے یا ممکن ہے وہ کوئی ایسا شخص ہو جو گھر میں مریض کی حالت ناگفتہ بہ دیکھ کر ڈاکٹر کی امداد طلب کرنے جا رہا ہو ۔ غرض مختلف قیاسات قائم کر کے بعض عقلی ثبوت بھی پیش کیے جا سکتے ہیں اسی طرح ان ارتقاء والوں نے اپنے نظریات و قیاسات کے ثابت کرنے کے لیے ان لوگوں کے حالاتِ زندگی سے استدلال کیا ہے جن کا مذہب ایک مسخ شدہ حالت میں ہوتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ ایک بگڑے ہوئے مذہب پر قیاس آرائی شروع کر دی جائے تو اس سے غلط نتائج اور فاحش نظریات ہی قائم کیے جا سکتے ہیں ۔

اور یہی ان کی بنیادی لغزش ہے !

ہاں اگر وہ اپنے نظریات کو انبیاء کرام کی زندگیوں پر چسپاں کر کے دکھلاتے جو دراصل مذہب کے بانی ہیں تو ایک حد تک قابلِ قبول ہوتے ۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اسی بنیادی غلطی کے باعث ان کے نظریات و قیاسات محض خیال آرائی ہی ثابت ہوتے ہیں ۔ اب میں اس اصولی غلطی سے آگاہ کرنے کے بعد مندرجۂ بالا سہ قیاسات پر الگ الگ مگر اجمالاً تنقیدی نظر ڈالوں گا ۔

وجودِ باری اور خوف جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہستی باری کا وجود جذبۂ خوف و حیرت کا نتیجہ ہے اس لیے صحیح نہیں کہ اگر وجودِ باری کا عقیدہ خوف و حیرت کا نتیجہ ہوتا تو اس عقیدہ کے بانی انبیاء سب سے زیادہ بزدل ہوتے اور دنیا کی مادی قوتوں سے خوف کھاتے۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ اس عقیدہ کی تبلیغ و تلقین اور اس کے قیام کے سلسلہ میں اپنی جان و آبرو کو خطرہ میں ڈالتے رہے ہیں اور دنیا کا کوئی خطرہ اور دنیا کا کوئی خوف ان کے پائے استقلال کو متزلزل نہ کر سکا۔ اور اسی طرح اگرچہ عقیدہ مختلف اوہام کی ایجاد ہے تو انبیاء کرام کو سب سے زیادہ توہمات میں گرفتار ہونا چاہیے اور سب سے زیادہ شکوک و شبہات کا شکار بننا چاہیے تھا۔

مگر اس کے برعکس اشد ترین مخالف اور مذہب کا انکار کرنے والے بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں، کہ ان کی زندگی حق الیقین کے اس بلند و بالا اور مستحکم چٹان پر قائم رہتی ہے جس سے دنیا بھر کی مخالفتیں سارے خوف اور اوہام ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر یہ عقیدۂ خوف کا لازمہ تھا تو پھر عقل یہ کہتی ہے کہ جوں جوں ہم کسی نبی کے قرب زمانہ کی طرف قدم بڑھاتے جائیں۔ اسی نسبت سے اوہام بڑھتے ہوئے نظر آنے چاہییں۔ مگر یہ امر واقعہ ہے کہ نبی کے اپنے زمانہ اور نبی کے قریب زمانہ میں توہمات کا نام و نشان نہیں ملتا بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جوں جوں ایک نبی کے زمانے سے دور ہوتے جائیں گے اسی قدر توہمات اور شکوک و شبہات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ مثلاً آج مسلمانوں میں قبر پرستی۔ پیر پرستی تعویذ پرستی اور جنتر منتر پرستی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے مذاہب میں شجر پرستی۔ حجر پرستی۔ آفتاب پرستی اور ستارہ پرستی وغیرہ غلط اور خلاف مذہب عبادات رواج پذیر ہو گئی ہیں تو ایسے مسخ شدہ مذہب اور گم گشتہ راہ اہل مذاہب کے خیالات و عقائد فاسدہ اور اوہامِ باطلہ سے استدلال کرنا عقل مندی کا مذاق اڑانا ہے اور یہ نتیجہ نکالنا کہ اسی طرح خدا پرستی بھی جذبۂ خوف کی ایجاد کردہ ہے قرینِ انصاف نہیں۔

پس انبیاء جو وجودِ باری کا عقیدہ دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ اگر جذبۂ خوف سے متاثر ہو کر اس کی تلقین کرتے ہوتے تو خود بھی بزدل ہوتے اور مختلف اوہام و شکوک و شبہات اور توہمات میں

سب سے زیادہ گرفتار ہوتے۔ اور ایسی باتوں کی نشر و اشاعت پر بھی زور دیتے۔ اور پھر ان کے قریب زمانہ میں بھی ایسی باتیں رواج پذیر رہتیں مگر واقعات اس کے بالکل برعکس ہیں، نہ نبی کی زندگی ان چیزوں میں بسر ہوتی ہے اور نہ نبی کے فوراً بعد یہ چیزیں نظر آتی ہیں بلکہ جن کے دل مذہب سے برگشتہ ہوتے ہیں۔ وہ ان توہمات میں گرفتار نظر آتے ہیں اور ایسے لوگوں کے طرزِ عمل سے استدلال کرتے ہوئے وجودِ باری کو بھی خوف کا نتیجہ قرار دینا انتہائی نادانی ہے۔

فرائیڈ کا نظریہ اسی طرح یہ قیاس کہ جذباتی کشمکش میں توازن برقرار رکھنے کا علاج اور دوسروں کی خاطر قربانی کرنے کا خیال معاوضہ خدا کی صورت میں تجویز کیا گیا۔ بایں وجہ باطل ہے کہ اگر یہ خیال درست ہوتا تو سب سے زیادہ انقباضِ طبیعت اور جذباتی کشمکش انہی لوگوں میں نظر آتی جو وجودِ باری کے ناشر تھے۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انبیاء میں ان کی عمر کے کسی حصہ میں بھی ایسا انقباض یا ایسی کشمکش پائی جاتی ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ اس کے برعکس نبی اپنے بچپن و جوانی، ادھیڑ عمر اور بڑھاپے میں سکینت کی ایک حسین تصویر ہوتے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی نبی کی زندگی پر نظر ڈالو۔ سکینت ہی سکینت پاؤ گے۔ ان کو اپنی خواہشات سے کبھی جنگ نہیں کرنی پڑی۔ اور اگر بالفرض ایک نبی اپنے بڑھاپے میں وجودِ باری کے عقیدہ میں راسخ ہو کر انقباضِ طبیعت اور جذباتی کشمکش فرو کر چکا تھا۔ تو کم از کم جوانی میں یہ باتیں اس میں موجود ہوتیں۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح وجودِ باری انقباض و کشمکش جذبات کی ایجاد ہوتا تو ان انبیاء کی تعلیم میں کبھی کوئی ربط و نظام نہ پایا جاتا۔ اور ان کی ساری باتیں مجنونانہ ہوتیں لیکن معاملہ برعکس ہے۔ ان کی تعلیم اور ان کے احکام انتہائی دانائی سے پر ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ دنیا تمدنی و علمی اور سیاسی و معاشی امور میں اپنی ساری دانائی انبیاء سے ہی لیتی ہے۔

عدم مساوات کا نظریہ اسی طرح ماہرینِ اقتصادیات کا یہ کہنا کہ وجودِ باری کا تصور عدم مساوات کو جاری و قائم رکھنے کے لیے معرضِ وجود میں آیا، مذہب پر صریح الزام ہے۔ کاش اگر وہ انبیاء کے حالاتِ زندگی اور مخلوق کے ساتھ ان کے سلوک کو ایک ادنیٰ نظر سے بھی دیکھتے تو کبھی ایسا قیاس نہ کرتے

اور اگر بالفرض ان کا یہ قیاس صحیح ہوتا تو پھر انبیاء کو سب سے زیادہ عدم مساوات کا حامی ہونا چاہیے تھا، کیونکہ وہ اس عقیدہ کے بانی تھے۔ مگر اس کے برعکس وہ عدم مساوات کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم کر کے ایک ایسا معاشرہ قائم کر جاتے ہیں جس میں دنیوی ثروت و امارت کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ وہ ایسی تعلیم اور ایسے احکام پیش کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں امارت و ثروت کو استقلال و دوام حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سلسلہ میں میں انبیاء کی اقتصادی تعلیم سے درگزر کرتے ہوئے اس نظریہ کے قائلین کی توجہ اسلام کے اقتصادی نظام اور معاشی اصول کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔ ذرا غور فرمائیے

کیا اسلام نے اپنی عبادات اور تہذیب و تمدن مساوات کی بنیاد پر قائم نہیں کی؟

کیا اس نے معیار تکریم اور وجہ تفوق امارت و ثروت اور دنیوی جاہ و حشمت کے بجائے تقویٰ و خدا ترسی کو قرار نہیں دیا؟

اسلام میں سود کا امتناع، ایتاء زکوٰۃ کا حکم جو دراصل سرمایہ پر مستقل بھاری ٹیکس ہے۔ اور اسی طرح قانون وراثت جو دولت کو صرف ایک شخص کی تجوری میں بند نہیں رکھتا۔ اور اسی طرح نظام صدقہ و خیرات سے متعلق احکام کیا عدم مساوات اور امیر و غریب کی تفریق کو مٹانے کے لیے کامیاب علاج اور یقینی تریاق نہیں۔

علاوہ بریں اگر امراء ہی وجود باری کے موجد ہوتے تو کیا وجہ ہے کہ جب بھی خدا کی توحید کو قائم کرنے کے لیے کوئی نبی کھڑا ہوتا ہے تو امراء ہی سب سے زیادہ اس کی مخالفت پر تل جاتے ہیں اور غرباء اس کی تائید میں پیش پیش رہتے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ جب بھی کوئی خدا منوانے والی تحریک دنیا میں اٹھتی تو تمام امراء کی تائید اس کو حاصل ہونی چاہیے تھی۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ امراء تو پیچھے رہ جاتے ہیں اور غرباء اس تحریک کی اشاعت میں تن من دھن سب کچھ نچھاور کر دیتے ہیں۔ اور پھر لطف یہ کہ عام طور پر خدا منوانے کے لیے ایک غریب ہی مبعوث ہوتا ہے۔ جس کے پاس کوئی دولت و ثروت عموماً نہیں ہوتی۔

پس ماہرینِ اقتصادیات کا یہ کہنا کہ عدم مساوات اور امیر و غریب کی تفریق اور اقتصادی برتری کے قیام کی غرض سے امراء کی طرف سے وجود باری کا عقیدہ معرضِ وجود میں آیا صریحاً غلط ہے۔

یہ عقیدہ الہامی ہے اب آئیے! میں آپ کو بتاؤں کہ یہ عقیدہ دنیا میں کیسے قائم ہوا۔ اور کن کے ذریعہ پھیلا؟ ناظرین نے محسوس کیا ہوگا کہ ان لوگوں کے ہر سہ قیاسات کتنے بودے اور کمزور ہیں جو تارِ عنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ ان کی یہ لاحاصل کوشش اور بے جا اصرار ہے کہ وہ اس عقیدہ کو ذہنی ارتقاء کی ایجاد ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ اگر وہ قدیم سے قدیم اقوام کے عقائد اور بعد میں آنے والی قوموں کے عقائد کا موازنہ کریں تو ان کو معلوم ہو کہ ان میں کوئی نمایاں فرق نہیں۔ بلکہ ایسی مماثلت نظر آتی ہے جو ایک انسان کو ورطۂ حیرت واستعجاب میں ڈالنے کے لیے کافی ہے۔ اور اس مماثل عقیدہ کو ہر دور میں بعض مخصوص ومعیّن ہستیوں نے قائم کیا ہے اور انہی پاک ہستیوں کی شہادت وتاثیر سے اس زمانہ کے لوگوں نے اس کو قبول کر لیا تھا۔ اور پھر حیرت یہ کہ ان معین ومخصوص ہستیوں کا زمان ومکان بالکل مختلف۔ ان کی ایک دوسرے سے ملاقات کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔ الا ماشاء اللہ، انہوں نے ایک ایسی متماثل اور متوازن تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی جس نے بعد میں چل کر ایک عظیم انقلاب کی صورت اختیار کی۔ ذرا غور فرمائیے کہ کیا کسی ذہنی اختراع سے پیدا شدہ عقیدہ جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ وہ عظیم انقلاب برپا کر سکتا ہے۔ جو اس تعلیم نے برپا کر کے دکھلا دیا۔

بے شک انبیاء کی تعلیم ایک نئی چیز نظر آتی ہے۔ مگر ان معنوں میں نہیں جن کو ہم ذہنی اختراع سے تعبیر کر سکیں۔ دنیا میں کئی فلاسفر ایسے گزرے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں جو اپنے ذہن سے کئی نئے خیال پیدا کرتے ہیں اور پھر بعد میں اکثر غلط بھی ثابت ہوتے ہیں مگر کبھی ایسے فلاسفروں کی مخالفت نہیں کی جاتی جو بے سروپا نظریات قائم کرتے ہیں اور اگر مخالفت کی بھی جاتی ہے تو نہایت معمولی۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ انبیاء جو عقیدہ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اس کی کتنی شدید مخالفت کی جاتی ہے۔ چھوٹا بڑا اور اپنا پرایا سبھی اس کی مخالفت پر تل جاتے ہیں۔ اور انہی مخالف حالات میں کامیاب زندگی گزارتے ہوئے اپنا مشن قائم کر جاتے ہیں۔ ہر نبی کا خطرناک مقابلہ کیا جاتا رہا ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ارتقائی اشیاء وخیالات کی بھی کہیں اس درجہ مخالفت کی جاتی ہے؟ ہرگز نہیں! مخالفت تو کجا ان کا احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ چیزیں کب اور کس طرح اور کس کے ذریعہ معرضِ وجود میں آئیں۔

پس یہ شدید مخالفت خود ثبوت ہے اس امر کا کہ اس عقیدہ کے ساتھ ارتقاء کا کوئی تعلق نہیں۔ ذہنی ارتقاء نے اس مسئلہ کو ایجاد نہیں کیا۔ بلکہ بذریعہ الہام انسانی ذہن میں اس کو بٹھایا گیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وجود باری کا عقیدہ قدیم سے قدیم اور نئی سے نئی قوم میں پایا جاتا ہے اور پھر من حیث المجموع اس کی ذات وصفات کے بارہ میں یکساں خیال موجود ہے۔ پس یہ ہم آہنگی اور اس عقیدہ کے قیام میں انبیاء کی شدید مخالفت اور ان سے یکساں سلوک اور ان دانا و فہیم اور پاک ہستیوں کی ثقہ شہادت اور اسی قسم کے کئی شواہد و نظائر از قبیل نشانات و پیش گوئیاں مسئلہ وجود باری کے ارتقائی نہ ہونے اور الہامی ہونے پر کافی دلیل ہیں۔

ترجمان القرآن کا

منصبِ رسالت نمبر

اس ضخیم نمبر میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے منکرینِ حدیث کے تمام دلائل کا مدلل و مسکت جواب دیا ہے۔ دفتر میں اس کے چند پرچے موجود ہیں۔ ضرورت منداصحاب فوری توجہ فرمائیں۔ قیمت فی پرچہ ۳ روپے ۵۰ پیسے

دو سے زائد پرچوں کی خریداری پر ۲۵ فیصد رعایت دی جائے گی

مینجر ترجمان القرآن۔ اچھرہ

لاہور